مفت سلسلہ اشاعت نمبر 102

ماہنامہ اشاعت اہلسنت

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہوگئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

عظیم محسن عظیم کردار

حضرت علامہ مولانا

خلیل الرحمان چشتی

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

نام کتاب	:	امام احمد رضا.........عظیم محسن، عظیم کردار
مصنف	:	حضرت علامہ خلیل الرحمان چشتی صاحب
ضخامت	:	۲۴ صفحات
تعداد	:	۲۰۰۰
سن اشاعت	:	صفر ۱۴۲۳ھ بمطابق مئی 2002ء
مفت سلسلہ اشاعت	:	۱۰۲

☆☆ ناشر ☆☆

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی۔74000 فون:2439799

گذشتہ سال صفر کے مہینے میں حضرت خلیل الرحمان چشتی صاحب نے نور مسجد کاغذی بازار میں ہفتہ واری اجتماع کے سلسلے میں ایک تقریر فرمائی تھی جس کا موضوع " امام احمد رضا ......ایک محسن، ایک کردار" تھا یہ تقریر کچھ ایسی پُر اثر اور دلکش تھی کہ دوستوں کی فرمائش پر ہم نے حضرت علامہ موصوف سے گذارش کی کہ وہ اسے کتابی صورت میں مرتب کریں۔ حضرت نے ہماری اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے اپنی اس تقریر کو کتابی شکل دے دی گذشتہ سال چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر ہم ان کی یہ تقریر شائع نہ کر سکے۔

الحمدللہ اب یہ تقریر کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے حسن اتفاق سے اس دوران اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تجدید کے حوالے سے ایک اور مضمون نظروں سے گذرا جو کہ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب علیہ الرحمہ کا تصنیف کردہ ہے جو کہ ماہنامہ پاسبان الہ آباد، انڈیا کے امام احمد رضا بریلوی نمبر میں شذرات (ایڈیٹر کا کسی واقعہ پر تبصرہ) کے نام سے شائع ہوا تھا۔

چنانچہ اس کتابچہ میں دو مضامین شامل اشاعت ہیں جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان اس کتابچہ کو اپنے سلسلہ مفت اشاعت کی 102 ویں کڑی کے طور پر شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہے امید ہے کہ زیر نظر کتابچہ قارئین کرام کے علمی ذوق پر پورا اترے گا۔

فقط.........ادارہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس وسیع وعریض کائنات میں روزِ اول ہی سے ہر دور میں چند ایسی شخصیات موجود رہی ہیں جو کائنات میں بسنے والے انسانوں کیلئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں ہدایت الٰہی کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔

تاریخ اسلام کے صفحات ایسی یگانہ روزگار ہستیوں کے مبارک تذکروں سے بھرے پڑے ہیں، جن کی خداداد علمی بصیرت سے ایک عالم مستفیض ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

ان مبارک اور مقدس ہستیوں میں، ایک ہستی ایسی بھی ہے جنہیں نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی مانتے ہیں۔ ان کی سیرت وکردار کا جس قدر مطالعہ کیا جائے ان کی شخصیت اتنی ہی تابناک اور قد کاٹھ اتنا ہی بلند نظر آتا ہے۔

میرا اشارہ افتخارِ سلف، وقارِ خلف، عاشق خیرُ الانام، فدا کار اولیاء عظام، تاجدارِ اہلسنّت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدّدِ دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات بابرکات کی طرف ہے۔

وہ احمد رضا! جو گلستانِ قادریت کی بہار تھے۔

وہ احمد رضا! جو کاروانِ اہلسنّت کے سالار تھے۔

وہ احمد رضا! جو عاشقِ حبیبِ کردگار تھے۔

وہ احمد رضا! جو گستاخانِ رسول کیلئے برہنہ تلوار تھے۔

وہ احمد رضا! جو علوم وفنون میں اپنے وقت کے یگانہ تھے۔

وہ احمد رضا! جنہوں نے اُس وقت دوقومی نظریہ کا پرچار کیا جب محمد علی جناح اور شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال بھی متحدہ قومیت کے خواب دیکھ رہے تھے۔

وہ احمد رضا! جن کی پاکستان کیلئے خدمات کسی بھی طرح بابائے قوم اور شاعر مشرق سے کم نہیں۔

وہ احمد رضا! جن کے فتاویٰ رضویہ کی چند جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر اقبال بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے تھے کہ :

"میں نے دور اواخر میں ان سا فقیہہ نہیں دیکھا۔ مولانا جو رائے ایک بار قائم کرلیتے ہیں اسے دوبارہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنا موقف خاصی سوچ وبچار کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ ہاں! اگر عشق رسول ﷺ کی وجہ سے ان کی طبیعت میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہوتے "۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت کی شخصیت محتاج تعارف نہیں یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے ہر طبقے میں نہ صرف آپ کے جاننے والے بلکہ آپ کی ذات سے محبت وعقیدت رکھنے والے

موجود ہیں۔ آپ اپنے وقت کے مجدد اور آفتاب رشد و ہدایت ہیں۔ آپ کی ذات و شخصیت کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے جتنا کے شاید غیر مذاہب اور مختلف مکاتب فکر کی پوری تاریخ و تعارف پر نہ لکھا گیا ہو۔

ایک ایسا دور جب جہالت، دین کے لباس میں پھیلی ہوئی تھی۔ توحید کے نام پر اللہ عزوجل، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی گستاخیاں کفر کی سرحدوں کو چھو رہی تھیں۔ نام نہاد علمائے دین، انگریز کے حکم پر بس اس تگ و دو میں مصروف عمل تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی عظمت کو گھٹایا جائے۔ خوشی اور غم کی مجالس میں ہندوانہ رسوم کا پرچار ہو رہا تھا۔ قوم کے افراد بے راہ روی کا شکار تھے۔ علم کے نام پر الحاد، دہریت، نیچریت، خارجیت و نجدیت کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ الغرض دین کے ہر شعبے میں خواہ عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا معاشرت، شریعت ہو یا طریقت، پوری قوم ایک ایسی منزل پر پہنچ چکی تھی جہاں سے اس قوم کو واپس لانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ ایسے دور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک ایسے مصلح، مجدد اور محقق کا ظہور ہو جو اصلاح امت کی فکر میں انبیائے کرام کے سچے وارث اور نائب کی حیثیت رکھتا ہو۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں بریلی کے ایک معزز و محترم خاندان میں ایک ایسی ذاتِ ارجمند تشریف فرما ہوئی جس کے مقدر میں تمام داخلی اور مذہبی فتنوں سے نبرد آزما ہونا اور پیکر حسن و جمال، مصدر جود و نوال، منبع فضل و کمال اور مرکز عشق و محبت حضور اکرم ﷺ سے ملت کا رشتہ محبت استوار کرنا رقم تھا۔

ولادت باسعادت:

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق "۱۴ جون ۱۸۵۶ء" بروز "ہفتہ" شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام "محمد" اور تاریخی نام "المختار" رکھا گیا۔ دادا محترم حضرت علامہ مولانا رضا علی خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کا نام "احمد رضا" رکھا۔ بعد ازاں آپ نے خود اپنے نام کے ساتھ "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا۔ آپ اپنی نعتیہ شاعری میں اپنے اس نام کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ:

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے

آپ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت محمد سعید اللہ خان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ قندھار (افغانستان) کے باعظمت قبیلے بڑھیچ کے پٹھان تھے۔ حکومت مغلیہ کے زمانے میں لاہور تشریف لائے اور معزز عہدوں پر فائز رہے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ لاہور کا "شیش محل" انہی کی جائداد تھا۔ پھر سرکاری فرائض کے سلسلے میں لاہور سے دہلی اور دہلی سے بریلی تشریف لے آئے۔ پھر سرزمین بریلی کو یہ عظمت نصیب ہوئی کہ یہ خاندان مستقل طور پر یہیں مقیم ہو گیا۔

جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی تو آپ کے دادا محترم حضرت مولانا رضا علی خان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو گود میں اٹھایا اور یہ بشارت ارشاد فرمائی کہ میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا اسکے چشمہ عرفان سے ایک دنیا سیراب ہوگی۔
(انوار رضا ص 391)

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کرلیا، چھ سال کی عمر میں ربیع الاول کی ایک تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک بڑے اجتماع میں میلاد شریف پڑھا۔ اردو اور فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد میزان و منشعب وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے حاصل کی اور پھر تمام علوم دینیہ اپنے عظیم والد اور اُس دور کے بلند پایہ عالم دین مولانا نقی علی خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیے اور تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تمام معقولات و منقولات کی تکمیل کرلی اور پھر تا حیات درس و تدریس، افتاء و تصنیف میں بسر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی صلاحیتیں عطا کیں تھیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، معانی، بیان، بدیع، کلام، ہندسہ، تصوف، قرآن و تجوید، سلوک، نعت، شاعری غرض وہ کون سا علم تھا جس پر امام احمد رضا کامل دسترس نہ رکھتے تھے۔

آپ کے سیرت نگاروں نے ساٹھ سے زائد علوم گنوائے ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کو مہارت تامہ حاصل تھی ان علوم پر آپ نے چھوٹی بڑی تقریباً چودہ سو سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خداداد ذہنی صلاحیت اور ایسا قوی حافظہ عطا فرمایا کہ آپ نے ایک ماہ میں قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی صلاحیتیں عطا

کیں تھیں کیونکہ مستقبل میں بہت بڑے بڑے کام آپ سے لیے جانے تھے۔عرب وعجم کے سارے علماء آپ کی بے حد تکریم کیا کرتے تھے۔ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور مشرق ومغرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیضان جاری ہو گیا۔

تحریک آزادی میں اعلیٰ حضرت کا کردار:

برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے کیلئے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ لائق صد تحسین ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے خلاف جتنے بھی بڑے بڑے فتنے اٹھے یا سازشیں ہوئیں ان کا قلع قمع کرنے کیلئے ہر دور میں اللہ تعالیٰ علمائے کرام واولیاء عظام کو بھیجتا رہا۔ان لوگوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمات کیلئے وقف کردیں اور اسلامی تعلیمات کا پرچار کیا نیز اسلام کے خلاف ہونے والی یلغار کا مقابلہ کیا۔یوں دور گذرتا گیا اور آج سے کم وبیش ڈیڑھ سو سال پہلے جب برطانوی سامراج نے برصغیر پاک وہند پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنا شروع کیا اور مغلیہ سلطنت ختم ہوگئی جیسے ہی برطانوی سامراج کا تسلط مکمل ہوا انہوں نے اسلام کے خلاف اس انداز سے کام کیا کہ مسلمانوں کی سوچ کا رُخ تک بدل کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کی تعلیمی زندگی کو تباہ وبرباد کردیا گیا یہ جو دینی ودنیاوی تعلیم کے اندر تضاد نظر آتا ہے یہ برطانوی سامراج کے دور کی پیداوار ہے۔علماء کی سوچ محدود ہوتی چلی گئی۔وہ جدید تعلیم اور عصری علوم وفنون سے عاری کیے جانے لگے ان کی سوچ اور فکر کی پرواز کا عالم بھی وہ نہ رہا جو قرون وسطیٰ کے علماء وفقہاء کا خاصہ تھا۔سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص رحمت تھی۔

آخر کار صورت حال یہ ہوگئی کہ امراء کے اندر بھی بگاڑ پیدا ہو گیا اور وہ اپنی اپنی جاگیروں اور دنیاوی مفاد ومنفعت کے حصول کیلئے انگریز سرکار کے گن گانے لگے۔اور ملک وقوم اور اسلام کے غدار ہوگئے۔(الا ماشاءاللہ)

اس طرز عمل نے وہ اثر چھوڑا کہ کچھ تو برطانوی سامراج کے ہاتھوں بک گئے اور کچھ پر ہندو فکر کی یلغار اثر انداز ہوئی پھر برطانوی سامراج نے امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے اسلام کے اندر بہت سے فتنے پیدا کرنے کی کوشش کی۔ختم نبوت کے انکار کا فتنہ نیز قادیان کی سرزمین سے ایک جھوٹے اور فاسق وفاجر شخص کا دعویٰ نبوت بھی برطانوی سامراج اور برطانوی

سازش کی پیداوار تھی تاکہ امت مسلمہ کو مرکز رسالت پر جو اتحاد و یکجہتی حاصل ہے۔اس میں پھوٹ ڈال دی جائے۔یہ فتنہ ایسا غارت گر ایمان تھا جو کتنے ہی مسلمانوں کو کافر بنا گیا۔

ان ہی فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ جو برطانوی سامراج نے پیدا کیا وہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو امت مسلمہ میں متنازعہ فیہ بنادیا جائے۔یہ اسلام کے خلاف بہت بڑی سازش تھی کیونکہ حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ امت کو جو والہانہ عشق ومحبت ہے،اس کے تحت مسلمان ہر دم اپنے نبی کے نام پر کٹ مرنے کو تیار ہے،مسلمان اپنا تن من دھن سب کچھ ہر لحہ اپنے نبی کی عزت وناموس پر لٹانے کو تیار ہے۔وہ اپنا سب کچھ گنوا سکتا ہے مگر اپنے نبی کی عزت، عظمت اور ناموس پر کوئی حرف برداشت نہیں کرسکتا۔اسلام کے ساتھ اسکی محبت،اسکی وابستگی،اسکا لگاؤ جذبات کی ان حدوں کو پہنچا ہوا ہے کہ گولیوں کی بوچھاڑ بھی اسے اپنے اس راستے سے ہٹا نہیں سکتی ڈاکٹر اقبال نے اسی تصور کی طرف اشارہ کیا تھا کہ:۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اسکے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

برطانوی سامراج نے دیکھا کہ مسلمان ہزارہا ظلم وستم اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود بھی زندہ ہے اور اب بھی ان میں اتنا دم خم ہے کہ وہ انگریز سرکار کے خلاف اعلان جہاد بلند کرسکتے ہیں اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے ٹالنا اُسی وقت ممکن ہے جب مسلمانوں کا رشتہ محبت ان کے نبی سے کاٹ دیا جائے۔چنانچہ اپنے اس مذموم مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے تنقیص رسالت کا فتنہ اٹھایا۔حضور ﷺ کی ذات مقدس،آپ کے منصب نبوت،آپ کی عظمت رسالت کے بارے میں ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے جانے لگے اور حضور کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جانے لگا۔انہوں نے حضور ﷺ کی عظمت وشفاعت،تصرفات واختیارات،علم غیب نیز حضور سے توسل واستمداد اور حضور کی تشریعی حیثیت وغیرہم مسائل الغرض ہر ہر طرح سے حضور ﷺ کی عظمتوں کو موضوع اختلاف بنادیا اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخیوں،بے ادبیوں اور تنقیص کے اس غلیظ فتنے کو توحید اور رد شرک کے نام پر فروغ دیا جانے لگا۔یعنی اب اگر کوئی مسلمان اپنے نبی کا ادب کرے تو اس ادب کو بھی شرک قرار دے دیا جائے۔کوئی امتی اگر اپنے نبی کی تکریم کیلئے اٹھے تو اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔مسلمان اپنے نبی کے نام کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائے تو اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔یہ اپنے نبی کی شفاعت پر اعتقاد رکھے

تو اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ یہ اپنے نبی کو پکارے اور محبت میں یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ کہے اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ یعنی نبی سے تعلق کی جتنی جہتیں ہیں ہر جہت میں کسی نہ کسی سمت سے شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ یہ اسلام کے خلاف اتنی بڑی سازش تھی کہ ایک امتی اپنے نبی کے ساتھ اپنی محبت کے جذبے کی جس طرح تسکین کرنا چاہتا اس تسکین کے ہر ہر زاویہ پر شرک کا فتویٰ لگا دیا گیا اور اس پر کتابیں لکھی گئیں، توحید کو خالص کرنے اور شرک کے رد کے نام پر کتابیں لکھی گئیں اور ان کتابوں میں یہاں تک لکھا گیا کہ اگر کوئی خود کو غلام رسول کہے، کوئی خود کو عبد رسول کہے، کوئی غلام حسین کہے، اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے۔ کوئی حضور کو زندہ کہے اسے بھی شرک قرار دے دیا جائے یعنی توحید کا دائرہ اتنا سکڑ گیا اور شرک کا دائرہ اتنا پھیل گیا کہ مسلمان کو اپنے ہر طرف شرک ہی شرک نظر آنے لگا۔

دوسرا فتنہ:۔

یہ وہ دور تھا جب برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے جدوجہد کی جا رہی تھی اور اس مقصد کے حصول کے لیے "ہندو مسلم ایک قومیت" کا نعرہ بلند کیا گیا کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں۔ حالانکہ ہندو ایک الگ قوم ہیں اور مسلمان ایک الگ قوم۔

یہ فکری و سیاسی فتنہ کچھ اس طرح سے اٹھا کہ انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے علماء، زعماء، اہل علم و اہل فکر جو مسلمانوں کی مذہبی قیادت کر رہے تھے اس فتنے کی یلغار میں اس طرح بہہ گئے کہ انہوں نے اپنے ماتھے پر کشکا لگایا اپنی چادروں کو ہندوؤں کی طرح باندھا۔ ہندو لیڈروں کی ارتھیوں کو اٹھایا۔ مسجدوں میں ہندو لیڈروں کو لا کر تقریریں کروائیں، قرآن اور ہندوؤں کی کتابوں کو ملا کر مندروں میں لے جایا گیا۔ گائے ذبح کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا گیا کہ کہیں ہندو ساتھیوں کی دل شکنی نہ ہو۔ اسلام کے شعائر منہدم ہونے لگے۔ الغرض وہ اکبری الحاد جس کا قلع قمع مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے کیا تھا اس نے پھر برصغیر پاک و ہند میں اپنا سر اٹھایا۔

قارئین محترم! یہ دو بہت بڑے فتنے تھے ان فتنوں کے سر کچلنے کیلئے اللہ ﷻ نے برصغیر پاک و ہند کے اس دور اواخر میں جس مرد حق، مرد آہن، مرد درویش، مرد عارف، مرد ولی، مرد حریت، مرد کامل، مرد جری، عاشق رسول، محسن امت مسلمہ کو پیدا کیا۔ اس کا نام الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی ہے۔

ان کے ایک ہاتھ میں دفاع دین کی وہ تلوار تھی جس نے تنقیص و گستاخی رسالت کے فتنے کا سر کچل کے رکھ دیا۔ اور ایک ہاتھ میں وہ تلوار تھی جس نے ہندو مسلم وحدت قومیت کے

ماننے والوں کا قلع قمع کر دیا۔ تنقیص رسالت کا طوفان جو کہ تیزی سے اٹھ رہا تھا آپ نے اس کے آگے بند باندھا۔ یہ وہ دور تھا جب بانی پاکستان محمد علی جناح کے ذہن میں بھی مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا کوئی تصور نہ تھا اور محمد علی جناح بھی اُس وقت ہندو و مسلم ایک قوم کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ اُس وقت شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال بھی اس فتنے کی حقیقت سے آگاہ نہ تھے اور وہ بھی ہندو مسلم ایک قوم کے نغمے الاپ رہے تھے اُس وقت کوئی مرد حق برصغیر پاک و ہند میں ایسا نہ تھا جو ہندو مسلم قومیت کی وحدت کا پردہ چاک کر کے مسلمانوں کے جداگانہ تصور قومیت کو اُبھار سکے۔

اس وقت برصغیر پاک و ہند میں ایک ہی آواز گونجی اور وہ آواز اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تھی 1920ء میں آپ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "الحجۃ المؤتمنہ" ہے اس کتاب کے اندر برملا اعلان کیا کہ جہاں ہماری عداوت، دشمنی اور ٹکر انگریز سامراج کے ساتھ ہے۔ وہاں ہندو سامراج بھی مسلمانوں کا دشمن ہے۔ مسلمان نہ انگریز کا ساتھی ہے نہ ہندوؤں کا دوست، مسلمان ایک الگ قوم ہے اور ہندو الگ قوم۔ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے جداگانہ قومیت کا تصور پیش کرنے والی ہستی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی ہی ہے۔

مگر کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ آج ہم برصغیر پاک و ہند میں نظریہ پاکستان کی تاریخ لکھتے اور پڑھتے ہیں تو اعلیٰ حضرت کا نام ان محسنین امت میں نہیں آتا۔ یہ ایک محسن اور عظیم ہستی کے ساتھ کتنا بڑا ظلم اور کتنی بڑی زیادتی ہے۔

مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی تصنیف "الحجۃ المؤتمنہ" اس موضوع پر لکھی گئی پہلی تصنیف ہے۔ آپ نے اس موضوع پر ابو الکلام آزاد اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے ساتھ بحثیں کیں مختلف علماء کے ساتھ اس فکری موضوع پر ٹکر لی۔

ترک موالات کی تحریک کے خلاف علم بلند کیا اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ تمہیں سیاسی، مالی، اقتصادی، معاشرتی اور معاشی اعتبار سے کمزور کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ فکر تھی کہ آج نظریہ پاکستان پر ہر مورخ اعلیٰ حضرت کے 1920ء کے پیش کردہ خیالات کی تائید اور تصدیق کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ جس فکر پہ جا کر 1947ء پاکستان کی داغ بیل پڑی اس فکر کا نقش اول اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا علیہ الرحمہ نے ہی دیا۔

جہاں تک تعلق ہے تنقیص رسالت کے فتنہ کا تو اس کے خلاف اعلیٰ حضرت کو چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے دفاع اور اسلامی تعلیمات کی حفاظت کیلئے اپنے فضل و کرم سے خصوصی حکمت اور بصیرت عطا کی تھی چنانچہ انہوں نے علیٰ وجہ البصیرت اس فتنے کا سر کچلنے کیلئے تکفیر کی شکل

میں بڑا زبردست فتویٰ جاری کیا، کتابیں لکھیں، ہر ہر کفریہ عبارت پر گرفت کی، ہر ہر باطل عقیدے کا قلع قمع کیا، ہر ہر مسئلے کی وضاحت کی تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا جائے، اور اسکے مزید پھیلنے کے امکانات ختم ہو جائیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ ان کی مومنانہ بصیرت اور مجددانہ بصارت نے اُس کڑے وقت میں یہ فیصلہ کر کے امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا۔

اعلیٰ حضرت اور جذبہ عشق رسول ﷺ

آپ کے سیرت نگاروں نے آپ کے جس وصف کو خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے آپ کو بے پناہ محبت وعقیدت ہے۔ گویا عشق رسول ﷺ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے۔ تمام غیر متعصب نظریاتی مخالف بھی یہ تسلیم کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں کہ فاضل بریلوی کے جذبہ عشق مصطفیٰ اور وجد آفرین نعت گوئی کی بناء پر وہ بلا مبالغہ "حسان الہند" کہلانے کے مستحق ہیں۔

عشق رسالت اعلیٰ حضرت کا سب سے قیمتی اور لافانی اثاثہ ہے انہوں نے در مصطفیٰ چھوڑ کر کسی دنیاوی بادشاہ کے دروازے پر کبھی نگاہ غلط انداز نہیں ڈالی انہیں بھروسہ تھا تو اپنے آقا و مولیٰ کی کرم فرمائیوں پر انہیں اعتماد تھا تو اپنے ہادی و مرشد ﷺ کی بندہ پروریوں پر۔ ان کی نگاہیں اٹھتی تھیں تو تجلیات مصطفیٰ کی ضوریزیوں کو سمیٹنے کو، ان کا دل دھڑکتا تھا تو صرف رحمت اللعالمین کی رحمت نوازیوں پر، عشق مصطفیٰ کا جو معیار وہ قائم فرما گئے وہ بعد میں آنے والوں کیلئے مینارۂ نور ہے وہ اپنے کلام میں جو سوز بھر گئے۔ خدا جانے کب تک دلوں کو گرماتا اور وجدان کو تڑپاتا رہے گا۔ نمونے کے طور پر یہ شعر ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

ہزار جنت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینے سے آج رضوان
ہزار مشکل سے اسکو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

سرکار ابد قرار علیہ السلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں نعتیں اور صلوٰۃ وسلام تو ہزاروں لوگ لکھتے ہیں مگر جتنی مقبولیت مشرق سے مغرب تک اعلیٰ حضرت کے کلام کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے کلام کو نہ ہو سکی۔ بلاشبہ اگر اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام یکجا کیا جائے تو بلا خوف و تردد کہا جائے گا کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا نعتیہ کلام ایک طرف اور امام احمد رضا کا سلام ایک طرف وہ سلام یہ ہے :

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

عربی کلام میں جو قبولیت عام امام بوصیری کے "قصیدہ بردہ شریف" کو ملی۔ اردو زبان

میں وہی مقبولیت اعلیٰ حضرت کے سلام کو حاصل ہوئی۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی ابتداء اور آغاز بھی عشق رسول اور نسبت رسول سے تھا اور اسکا اختتام بھی عشق رسول اور نسبت رسول پر ہے۔

آپ نے امت مسلمہ کے دلوں میں ادب وتکریم رسالت کا تصور موجزن کیا اور یہ سمجھا دیا کہ حضور کا ادب، حضور کی تکریم، حضور کی تعظیم، حضور کی محبت ہے تو ایمان اور اسلام سلامت ہے۔ اگر یہ نسبت نہیں تو ایمان ذرہ برابر بھی باقی نہیں۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں مقبولیت اور وصال باکمال:

دوسری مرتبہ جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ کی حاضری کے وقت دل میں یہ تمنا ابھری کہ کاش بیداری کی حالت میں بھی جمال جہاں آراء کی زیارت نصیب ہو جائے (یوں تو عالم خواب میں بارہا اس جلوۂ زیبا کی دید سے اپنی آنکھوں کو سیراب کیا تھا) اس خیال نے اس قدر بیتاب و بے قرار کیا کہ حالت غیر ہوگئی۔ اس عالم میں یہ نعت کہی کہ:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اور جب اس نعت کے مقطع پر پہنچے تو یوں عرض کی :

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

تو رحمت دو عالم ﷺ نے کرم فرمایا اور آپ کے دل کی مراد بر آئی اور آپ عالم بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ گویا اعلیٰ حضرت مقبول بارگاہ رسالت کے مقام پر فائز تھے۔

اسی طرح جس روز اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا یعنی ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ٹھیک اسی روز بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ تمام صحابہ کرام بھی حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔

شامی بزرگ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی......!

یارسول اللہ ﷺ ....!............کس کا انتظار ہے؟

سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا............!............احمد رضا کا۔

عرض کی............حضور............!............احمد رضا کون ہے......؟

فرمایا...... ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

شامی بزرگ شوق دیدار میں ہندوستان آئے بریلی پہنچ کر اعلیٰ حضرت کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ کا عین اسی وقت وصال ہوگیا تھا جس روز خواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں احمد رضا کا انتظار ہے۔

شہید محبت کی دنیا سے روانگی کا منظر بھی بڑا ایمان افروز تھا

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء جمعۃ المبارک کے بابرکت دن دو بج کر ۳۸ منٹ پر عین اذان جمعہ میں جب مؤذن نے حی علی الفلاح پکارا، آپ علیہ الرحمہ کی روح پرفتوح نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ فاضل جلیل حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب جو بنفس نفیس وصال کے وقت اعلیٰ حضرت کے پاس حاضر تھے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اعلیٰ حضرت نے وصیت نامہ تحریر کرایا۔ پھر اس پر خود عمل کرایا۔ وصال شریف کے تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ارشاد ہوتے رہے۔ جب دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے۔ آپ نے وقت پوچھا اور فرمایا کہ گھڑی کھلی سامنے رکھ دو۔ یکا یک ارشاد فرمایا کہ تصویر ہٹا دو۔ حاضرین کے دل میں خیال گذرا کہ یہاں تصویر کا کیا کام؟ یہ خطرہ گذرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ پھر ذرا وقفہ سے برادر معظم حضرت مولانا محمد رضا خان سے ارشاد فرمایا! وضو کراؤ!، قرآن پاک لاؤ، ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ برادرم مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب سے بھی ارشاد فرمایا اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورۂ یٰسین شریف اور سورۂ رعد شریف تلاوت کرو۔ اب آپ کی عمر شریف میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں حسب حکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ آپ نے ایسے حضور قلب اور بیداری سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقت زبان سے اس وقت ذرا فرق ہوا خود تلاوت فرما کر بتا دی۔

اسکے بعد سید محمود صاحب ایک مسلمان ڈاکٹر کو ہمراہ لائے ان کے ساتھ اور بھی لوگ حاضر ہوئے۔ اس وقت جو لوگ اندر گئے آپ نے سب کو سلام کے جواب دیے اور سید محمود صاحب سے دونوں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت قبلہ سے حال دریافت فرمانا چاہا، مگر آپ اس وقت حکیم مطلق جل مجدہ کی طرف مائل تھے ڈاکٹر صاحب سے اپنے مرض یا علامت کے متعلق کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے پھرتے پڑھنا مسنون ہے، تمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں پھر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) پورا پڑھا جب اسکی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا تو ادھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرۂ مبارک پر ایک لمعہ نور کا چمکا جس میں جنبش تھی۔ جس طرح آئینہ میں لمعان

خورشید (سورج کی شعائیں) جنبش کرتا ہے، اسکے غائب ہوتے ہی وہ جان نور، جسم اطہر سے پرواز کرگئی۔

اِنَّ لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی تھی کہ جب میری نماز جنازہ ادا ہو چکے، تو میری یہ نعت:

کعبے کے بدر الدجی تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

میری میت کے قریب پڑھی جائے حسب وصیت یہ نعت خوش الحان نعت خواں میت کے ساتھ ساتھ پڑھتے جا رہے تھے۔

ابر رحمت ان کی مرقد پہ گوہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے
بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

حضور ﷺ کے فرمان پر یقین کامل:

اعلیٰ حضرت اطاعت کے بغیر عشق کے قائل نہ تھے۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔ حضور ﷺ کے ارشادات پر آپ کا یقین کس درجہ مستحکم تھا۔ اس کا حال انہیں کی زبان قلم سے سنیے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ جن دنوں بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا۔ ایک دن میرے مسوڑھوں میں ورم ہوا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔ طبیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا! یہ وہی ہے یہ وہی ہے یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا۔ اس لیے انہیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں، نہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا کیونکہ ایک مرتبہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی تھی جسے سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا خود تا زندگی اُس بلا سے محفوظ رہے گا وہ دعا یہ ہے!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ط

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ:۔

جن جن امراض اور بلاؤں میں مبتلا کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمد للہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہٖ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے

طاعون کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں جب کرب بہت بڑھ گیا تو دل نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی!

اَللّٰھُمَّ صَدَقَ الْحَبِیْبُ وَ کَذَبَ الطَّبِیْبُ

کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا۔ مسواک اور سیاہ مرچیں۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا جب دونوں چیزیں آئیں۔ اس وقت میں نے مسواک کے سہارے تھوڑا تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پسی ہوئی مرچیں اس راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی۔ مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد اللہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں۔ منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہ تعالیٰ دفع ہوگیا۔

اعلیٰ حضرت کا عظیم کارنامہ:

یوں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی علمی خدمات اور کارنامے بے شمار ہیں لیکن آپ کا ترجمہ قرآن وہ عظیم اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ جس کے ذریعے قرآن فہمی کا ذوق وشوق رکھنے والے اہل محبت ہمیشہ روح قرآن سے آشنا ہوتے رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت نے ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۱ء میں آسان اور عام فہم اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا جو اپنے تاریخی نام " کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن " کے نام سے ہر جگہ مشہور و مقبول ہے۔ ترجمہ قرآن کنز الایمان افادیت و اہمیت اور دیگر تراجم پر فوقیت کے اعتبار سے محتاج بیان نہیں۔

ایک ذی شعور مسلمان (جو حضور ﷺ کے عشق کو سرمایہ ایمان یقین کرتا ہے) جب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کا تقابل وموازنہ دیگر اردو کے تراجم کے ساتھ کرتا ہے تو لغوی، معنوی، عقلی، ادبی، علمی اعتبار سے تمام کمالات وشرائط پر جو ترجمہ پورا اترتا دکھائی دیتا ہے وہ ترجمہ کنز الایمان ہی ہے۔

دیگر تراجم میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول معظم ﷺ کے ادب واحترام کا خیال نہیں رکھا گیا (الا ماشاء اللہ) جبکہ ترجمہ کنز الایمان میں اعلیٰ حضرت نے ہر مقام پر اللہ اور اسکے رسول مکرم ﷺ کے ادب وتکریم کے پہلو کو خاص طور پر ملحوظ نظر رکھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح آسمانی کتب میں قرآن مجید لاریب، عظیم اور بے مثل کتاب ہے بعینہ اس طرح اس روئے زمین پر قرآن کریم کے ہونے والے اردو تراجم میں کنز الایمان بے مثل وبے مثال ہے۔ قرآن فہمی کا شوق رکھنے والے، قرآن پاک سے درس اصلاح

دینے والے، ترجمہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے، ترجمہ قرآن کرنے کی سعادت حاصل کرنے والے ہر دور میں ترجمہ کنز الایمان سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے اور یوں قرآن فہمی کی راہیں ان کیلئے آسان ہوتی رہیں گی۔ موجودہ دور میں شائد ہی کوئی مفسر ومحدث، مدرس ومتعلم ایسا ہو جو ترجمہ کنز الایمان سے استفادہ نہ کرتا ہو۔

ترجمہ کنز الایمان صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز کی مساعی جمیلہ سے ضبط تحریر میں آیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو خود قرآن پاک کے ترجمہ کی ضرورت کا احساس تھا، لیکن تصنیف وتالیف اور دیگر علمی مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوتی رہی۔ آخر ایک دن صدر الشریعہ قلم، دوات اور کاغذ لیکر حاضر ہوگئے اور ترجمہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ پہلے پہل ایک آیت کا ترجمہ ہوتا، پھر محسوس کیا اس طرح تکمیل میں بہت تاخیر ہو جائے گی۔

ایک ایک رکوع کا ترجمہ ہونے لگا، اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علماء، مستند تفاسیر کے ساتھ ترجمہ کی مطابقت تلاش کرتے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ اعلیٰ حضرت جو ترجمہ تیاری اور مطالعہ کے بغیر لکھواتے ہیں۔ اکثر تفاسیر کے مطابق ہوتا ہے۔

(رضائے مصطفےٰ صدر الشریعہ نمبر ۲ ذی قعدہ 1379 ص ۳)

اعلیٰ حضرت باکرامت ولی:

کرامت ہر ولی اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اور خود بخود ظاہر ہوتی ہے کوئی نہ کوئی واقعہ اس کرامت کے ظہور کا موجب بن جاتا ہے اور مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ دین کی اشاعت ہو اور غیر اس کرامت کو دیکھ کر خود بخود بلا کسی جبر واکراہ کے حلقہ بگوش اسلام ہو جائے۔ یوں تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کرامات بھی بے حد وبے شمار ہیں لیکن یہاں بخوف طوالت ان میں سے صرف ایک کرامت کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً یہ ایک ایسی کرامت ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک صاحب اقتدار اور تعلیم یافتہ انگریز بمعہ اپنے پورے کنبہ کے مسلمان ہوا اور ایسا مسلمان ہوا کہ پھر اس نے بقیہ زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی اور اس نے اپنے وطن جا کر اسلام کی زرین خدمات انجام دیں۔

یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، سبق آموز اس لئے ہے کہ یہ واقعہ اس بات کا درس ہے کہ سفر ہو یا حضر، خدا اور رسول کا خوف دل میں رکھنے والے نماز کسی حالت میں نہیں چھوڑتے، عشق الٰہی کی رسی کو ہر حال میں ہاتھوں سے تھامے رہتے ہیں اور دلچسپ اس لئے ہے کہ

سائنسی عقل رکھنے والے بھی روحانیت کے کمال کو ماننے پر مجبور ہو گئے سائنسی علم کے ساتھ ساتھ روحانی حقیقت کو بھی انہوں نے تسلیم کیا اور اسلام کی حقانیت کا دامن تا حیات نہ چھوڑا۔

یہ اعلیٰ حضرت کے وصال 1921ء سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت کا اکثر سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں عرس غریب نواز کے موقع پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے " دیوان" صاحب کیا کرتے تھے جس میں علماء وفضلاء دور دور سے وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے بعض مرتبہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خان بھی اس وعظ میں شریک ہوتے تھے اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرس خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے۔ دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لیے بی بی اینڈ سی آئی آر ریل چلا کرتی تھی دوران سفر جب یہ ریل گاڑی پھلیرہ جنکشن پر پہنچی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ پھلیرہ اس دور میں ہندوستان کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لیے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے۔ اسی لیے یہ میل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔

بہر کیف جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو پھلیرا جنکشن پر پہنچتے ہی نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا اعلیٰ حضرت نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لیے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت باوضو رہتے تھے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے اور امامت کے لیے آگے بڑھے اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ان شاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے۔ آپ لوگ قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ مغرب کے فرائض کی جب ایک رکعت ادا ہو چکی تو ایک دم گاڑی نے وہسل دے دی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی ابھی مغرب کے فرائض کی دوسری رکعت ادا ہو چکی تھی کہ گاڑی نے تیسری اور آخری وہسل بھی دے دی مگر ہوا کیا کہ گاڑی کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا

میل گاڑی تھی کوئی عام پسنجر گاڑی نہ تھی۔ اس لیے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ ریل گاڑی آگے نہیں جاتی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لیے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف دھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی، انجن بالکل ٹھیک تھا مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف دھکیلتا تو انجن رک جاتا تھا آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرے سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو آیا چلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا، کوئی اس میں خرابی نظر نہ آئی مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا اور ایک انچ بھی آگے کو نہ سرکا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا، اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کرو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑ دو تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے وہ گارڈ مسلمان تھا اس کے ذہن میں بات آ گئی اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہی چلے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اسٹیشن ماسٹر اگرچہ انگریز تھا مگر وہ اولیاء اللہ کو مانتا تھا اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق اور خشوع وخضوع کا روح پرور منظر دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور پھر با آواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! ذرا جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت کے سبب چل نہیں رہی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور ان شاء اللہ گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کر سکتا، نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، فرض کو کیسے چھوڑا جائے، گاڑی ان شاء اللہ نہیں جائے گی جب تک کہ ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے

۔ اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی، اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کر لی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ انشاءاللہ اب گاڑی چلے گی ہم سب نماز سے فارغ ہوگئے ہیں، یہ کہا اور بمعہ اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی ۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا مگر اس کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہرکیف گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہوگئے مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا رات بھر وہ اسی غور و فکر میں رہا، اس کو نیند نہ آئی صبح اٹھا تو چارج اپنے ڈپٹی کو دے کر بمعہ اپنے افراد خاندان کے (حاضری کے لیے) اجمیر شریف کو چل پڑا تا کہ وہاں درگاہ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر اسلام قبول کرے۔ جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے اور عرض کیا کہ جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا، آخر اپنے افراد خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہوگیا ہوں اور اب آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل ہوگیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے ہزار ہا زائرین دربار خواجہ کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو افراد خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبدالقادر رکھا۔ حالانکہ اس کا انگریزی نام رابرٹ تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلہ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباع سنت کا خیال رکھنا، نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے اور جب موقعہ ملے تو حج پر بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ بھی ادا کرنا اور ہمیشہ خدمت دین کا خیال رکھنا اس لیے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے ان تمام افراد خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلواؤ، غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا اور اپنی عارفانہ جنبش نگاہ سے اس

کے دل کو عشق رسول پاک ﷺ کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو ایسا مہکا دیا کہ وہ اسلام کا شیدائی اور وارفتہ ہوگیا۔

انگریز کے قبول اسلام کا یہ واقعہ اُس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانہ کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان اور انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشینری کی سرپرستی کیا کرتے تھے اس انگریز کے بمعہ افراد خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے حلقہ میں ہل چل پڑ گئی مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی یعنی گورے گھبرا گئے ۔ ان کے پادری بوکھلا گئے۔

پھر اس نو مسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا کہ زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی وہ پھر قرآن کریم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا اور پھر وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشق رسول ﷺ کر کے کام کا آدمی بنا دیا، منزل پر پہنچا دیا، اس کو ملت اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنا دیا، اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی طرح انقلابی طور پر اسلام پھیلایا اور پرچم اسلام کو سربلند کیا، ان کا ہر نقش قدم ایک مسلمان کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور بہ بانگ دہل یہ دعوت دیتا ہے کہ ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چل کر دین کی بے لوث خدمت انجام دو اور اتباع سنت کا پورا خیال رکھو۔ بس نجات اسی میں ہے۔

(سیرت پاک اعلیٰ حضرت ص ۱۷۵)

ختم شد

شذرات

(خطیب مشرق علامہ) مشتاق احمد نظامی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

قال رسول اللہ ﷺ : ان اللہ یبعث علی راس الخ

(۱) سرور کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگار عالم ہر صدی کے آخر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے۔ وہ مردِ حق تجدید و احیائے دین کی کٹھن راہوں سے گزرنے میں تیر ملامت کا نشانہ بنتا ہے اور کبھی کبھی تو قید و بند کی کٹھنائیوں سے بھی اسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چونکہ وہ کوئی سیاسی قیدی نہیں جو حالات کے تیور سے مرعوب ہو کر کلمہ حق کو واپس لے لے بلکہ آمرانہ اور جابرانہ طاقتیں خود اس کے قدموں پر جھکتی ہیں اور حق کا پرستار بلا خوف لومتہ لائم دین کی صاف اور کشادہ راہوں کو پیش کرنے میں جرات بے باک سے کام لیتا ہے غیر تو غیر بسا اوقات اپنے بھی اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے ہیں مگر نہ پوچھئے اس کے عزم و استقلال کی خداداد طاقت کی کرشمہ سازیاں کہ قہر و غضب کے بادل امنڈتے ہیں مگر برسنے سے پہلے مطلع صاف نظر آتا ہے۔ نہیں معلوم ایسے کتنے طوفان اٹھتے ہیں مگر اس کی جبین استقلال پر بل نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے جس کے باعث دنیا اسے مجدد کے نام سے یاد کرتی ہے۔

(۲) یہ ایک سنت الٰہیہ ہے کہ آفتاب نبوت کے پردہ فرمانے کے بعد کسی قرن اور صدی کو قدسی نفوس ہستیوں سے خالی نہ رکھا گیا، ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی و رہنمائی کے لئے ہر تیرہ و تاریک فضا میں کوئی نہ کوئی آفتاب ہدایت مطلع شہود پر آتا رہا اور وقت کی بگڑتی ہوئی فضا کو سازگار بنانے میں یا یوں کہہ لیجئے کہ نظام شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اور مجددِ دین کی آخری کڑی جس کو نامزد کیا جا سکتا ہے وہ تاجدار اہلسنّت مجدد مائتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور اعلیٰ حضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، ابوبکر باقر قلانی۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجدد الف ثانی جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے وقت میں احیائے دین فرماتے رہے اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئے گی کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی

کوشش کی گئی۔ مگر (الحق یعلو ولا یعلی) حق خود بلند ہوتا ہے...... وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کی چٹان پر نہیں پہنچتا اور نہ کسی باطل کی ہوا خیزی سے اس کی صداقت پر پردہ پڑتا ہے۔ دنیا کی فرعونی و طاغوتی طاقتوں نے ان کا مقابلہ کیا آخرش ایک صبح ایسی نمودار ہوئی جس کی روشنی پر تاریکی کا پردہ نہ پڑ سکا اور ان کے کارہائے نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں۔ چنانچہ تاجدار اہل سنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علماء دیوبند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ تھے، جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ چھوڑا۔

(۳) قلم کی پختہ کاری کا اعتراف ہی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر روشن دلیل ہے چونکہ امام اہل سنت کا مجدد ہونا حسن صورت یا امارت و ریاست یا کثرت تلامذہ و حلقہ ارادت کی وسعت غرض کہ اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں بلکہ کشور علم کا تاجدار جس وقت سیف قلم لے کر رزمگاہ حق و باطل میں اُترا ہے۔ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور تجدید نام ہی ہے انسان کی اس صفت راسخہ کا جس کی قوت سے وہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو یافتہ ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت سے اجاگر ہے اور اس جوہر گراں مایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں بھرپور ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف بہ حرف تعلیم حاصل کی ہو۔ یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو احیائے سنت کی خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے۔ (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ انہیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا بھی نام نامی ہے۔

(۴) الحاد و بے دینی کی مہیب فضا، کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا، نجدیت و وہابیت کی مطلق العنان مارکیٹ جس میں شرک و بدعت (ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا) کی جگہ لے چکی تھی۔ بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے دیئے جاتے، استمداد و نداء، میلاد و قیام، ختم نبوت و علم و غیب جیسے قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے کھل گئے تھے بلکہ اخبار و پریس کی طاقت نیز حکومت وقت کے ایماء و اشارے پر سچے پکے مسلمانوں کو بدعتی و مشرک کہا جاتا تھا اور یہ فتاوے کیوں نہ دیئے جاتے (جب سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا) انگریزوں سے ساز باز تھی۔ علمائے اہلسنّت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے۔ چنانچہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما چکے تھے جس کی پاداش میں انہیں دریائے شور کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے حق پرست مسلمانوں کو

پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔ علمائے اہلسنّت کا شیرازہ منتشر تھا۔ اک جہتی ختم ہو چکی تھی۔ تنظیم ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی تھی۔ ایک دوسرے کے حالات سے بےخبر و نا آشنا تھے اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی۔ برطانیہ گورنمنٹ کی نوازشات سے دامن بھر پور تھا۔ موقع غنیمت جان کر عقائد کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اب ان کے پاس دارالعلوم تھا۔ اور جمیعۃ کا جتھا بھی تھا۔ طفل مکتبہ مصنف بن چکے تھے ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا۔ ہر عبارت پر مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا۔ حفظ الایمان کی ایک گندہ و توہین آمیزہ عبارت پر بسط البنان، توضیح البیان ، مکالمتہ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے و پمفلٹ کوچہ و بازار میں آ چکے تھے۔ کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس لئے نئے نئے شگوفہ کھلانا اور نئی نئی پھلجڑی چھوڑنا مصلحت وقت کا عین تقاضا تھا...... کبھی علم غیب پر حملہ ہے تو کبھی ختم نبوت پر، کبھی شان نبوت کی تنقیص ہے تو کبھی عظمت ولایت کی توہین۔

(۵) غرض کہ زمین ہند ماتم گسار تھی، چرخ کہن نوحہ گر تھا۔ قدسی صفات فرشتے رحمت باری کے منتظر تھے۔ اہل سنت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا۔ حق پرستوں کی آنکھ ساون بھادوں کی جھڑی تھی ،عقیدت مندوں کا سینہ نالاں کناں تھا، رسول پاک کے فدائی ماہی بے آب تھے، حرمت نبوت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے، عظمت ولایت پر مر مٹنے والے سسک رہے تھے، اس طرف الغنی یارسول اللہ کے نعرے تھے، یاغوث المدد کی صدائیں تھیں اور دوسری طرح انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی...... مقابلہ آسان نہ تھا نجدیت کے علاوہ ان سفید چمڑے والوں سے بھی مقابلہ تھا۔ جن کا دل توے کی کالک سے زیادہ سیاہ اور سنگریزوں سے زیادہ سخت تھا۔

(۶) مگر مرد مومن کی آہ رنگ لا کر رہی۔ اہل سنت کے آنسو رحم و کرم کی موسلا دھار بارش بن کر رہے۔ یہاں تک کہ سرزمین بریلی کا مقدر اوج ثریا سے بھی بلند ہوا۔ شب دیجود کے پردے چاک ہوئے۔ "پو پھٹی "،" گگر نمودار ہوئی"،" کرن ضیا پاش ہوئی"، آسمان ہدایت پر ایک نیا ستارہ چمکا۔ بزم علم میں ایک روشن چراغ منور ہوا، چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا۔ جس نے عجم و عرب کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطر بیزیوں سے مہکایا۔ آیا کون......؟ آیا وہ ہی جس پر دنیا سنّیت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے، ہاں وہ آیا۔ جو سفینہ سنّیت کا ناخدا بن کر آیا۔ جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا۔

جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہل سنت، مجدد دین و ملت، اعلی حضرت عبدالمصطفیٰ مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت و شوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

(۷) ویسے تو اعلی حضرت کی زندگی پیکر علم و عمل تھی۔ علمائے عرب و عجم نے خراج عقیدت پیش کیا۔ جس کی ادنیٰ شہادت حسام الحرمین ہے۔ جس میں علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق فرمائی بلکہ آپ کے علمی فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے تقریظات کا حصہ بھی شامل فرمایا۔ لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سے خصوصی علل و اسباب ہیں جن کی بناء پر دنیا امام اہل سنت کو مجدد ماننے پر مجبور ہے اس موقع پر مجھے اپنی بے مائیگی کا پورا پورا احساس ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمین میں قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور پر اہل نہیں ۔محترم مخلص مفتی ظفر علی صاحب نعمانی پرنسپل دارالعلوم امجدیہ کراچی کا مرسلہ پیکٹ جس وقت مجھے موصول ہوا اور کتاب کے سرورق "حیات اعلیٰ حضرت" پر نظر پڑی تو وفور شوق میں اوراق گردانی کرنے لگا۔ مگر اپنی حرماں نصیبی کہ جس عنوان کا متلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا۔ یعنی اعلیٰ اعلحضرت کی شان تجدید۔ میرے خیال میں جلد اول کا سب سے اہم اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی۔ ہوسکتا ہے بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ لطیفہ کٹیہار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہو۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوسکا تو مکتبہ کراچی کو چاہیے کہ وہ موصوف سے اس عنوان پر ایک علمی و تحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد میں شامل کردے۔ ورنہ میری نگاہ میں حیات اعلیٰ حضرت ایک عالم و فاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے گی۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر محققانہ گفتگو کی جائے۔ یہ تنقید و تبصرہ نہیں۔ بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

(۸) اعلیٰ حضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے گفتگو کی ہے۔ لیکن وہ کیا نہ تھے میری نگاہ میں اعلیٰ حضرت چمنستان علم و ادب کے ایسے شاداب و بے مثل گلدستہ ہیں جس کی وجہ سے انہیں مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جاسکتا ہے۔ متبحر عالم، جید فاضل، مفتی دوراں ، مناظر اعظم ، فقیہ زماں ، ماہر فلکیات ، جامع معقول و منقول ، آفتاب شریعت ، ماہتاب طریقت ، غرض کہ عربی گرامر سے لے کر ادب ، معانی و بیان و بدیع ، فقہ ، تفسیر و حدیث ، منطق و فلسفہ ، علم جفر و تکسیر ، ہیات و ریاضی سب پر یکساں نگاہ تھی اور ہر ایک میں ایسی دستگاہ کامل حاصل تھی کہ کوئی ہم عصر اس باب میں آپ کا ہم پلہ نہیں ۔ لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک اور بھی ایسی وہبی و وجدانی طاقت قدرت کی طرف سے ودیعت تھی ۔ جو اعلیٰ حضرت اور آپ کے دوسرے ہم عصر علماء کے درمیان خط فاصل کھینچتی ہے اور وہ ہے آپ کا مجدد کامل ہونا۔

(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے و پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے گرد و پیش ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاوقتیکہ اس کے صحیح ماحول کا اندازہ نہ ہو سکے گا اس وقت تک اس کے کارتجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا خلاصہ یا نچوڑ احقاق حق و رد ابطال ہے۔ زندگی سے مراد آپ کی تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر اور روایات جو یکے بعد دیگرے ہم تک پہنچی ہیں۔ جہاں تک رد وہابیہ کا تعلق ہے اس خصوص میں اعلیٰ حضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیرآبادی و مولانا فضل رسول بدایونی کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن علامہ فضل حق کی تاریخ پر ان کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش کا نگاہ اول جائزہ نہیں لے سکتی اور مولانا فضل رسول بدیوانی کی زندگی پر تصوف و کشف و کرامات کی ایسی حسین غلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہو جاتے ہیں۔ علامہ فضل حق خیرآبادی خواص کی نگاہ میں ایوان معقول کے ستون سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ بین طبقہ کی نظر میں آزادی ہند کے تاجدار اول تصور کئے جاتے ہیں۔ مولانا فضل رسول بدیوانی علماء کے طبقہ میں جید عالم اور عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں مرشد کامل کی جگہ پاتے ہیں۔ لیکن امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم شریعت شیخ طریقت متعلم و معلم راعی و رعایا، حاکم و محکوم ایک پروفیسر و پرنسپل سے لے کر تاجر و مزدور تک کی نگاہ میں مجدد کامل سمجھے جاتے ہیں۔

(۱۰) میں نے متقدمین کی فہرست میں کسی اور کا اضافہ اس لیے نہیں کیا چونکہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضا ہے کہ نقاد کا نقاد سے، طبیب کا طبیب اور پروفیسر کا پروفیسر سے، موازنہ کیا جائے غرض کہ دو ایسے مقابل جو کسی ایک وصف میں شریک ہوں یا امکان شرکت ہو ایسی ہی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکتا ہے چونکہ اعلیٰ حضرت کے کارتجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و سہیم قرار دیا جا سکتا ہے تو علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی کو لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی احیائے سنت اور رد ابطال کی آئینہ دار ہے۔ یہ موازنہ من حیث تجدید نہیں ہے بلکہ محض رد وہابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے۔

امام اہل سنت کا کارتجدید ۱۴ برس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اوائل عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصہ میں پروان چڑھی۔ اللہ اکبر نہ پوچھئے، اس مرد حق بین کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے۔ مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کایا پلٹ دی۔

(۱۱) فرنگی محل کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثار السلف کہا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی سیاسیات کا بہتا ہوا دھارا نہ سمجھ سکے جس وقت ہندوستان کے لیڈر مولانا محمد علی جوہر اور ان کے دوسرے حوارین تحریک خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور کانگریس کے مایہ ناز لیڈران بھی ترکی و برطانیہ جنگ کے احتجاج میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے۔ ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریک خلافت کے ایک جزو بن گئے تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی عاقبت اندیش نگاہ مستقبل سے ناآشنا نہ تھی۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو وحید عصر حضرت مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ "مولانا اپنے الفاظ سے رجوع فرمالیں"۔ قربان جایئے ان حق پرستوں کی للٰہیت پر کہ نہ تو توبہ لینے والے کو کسی شخصیت کے سامنے جھجک اور نہ تو رجوع کرنے والے کو کسی قسم کی شرم و عار یہ ہے اعلیٰ حضرت کی وہ جرات بیباک جس کے سامنے اکابر علماء کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

(۱۲) اگر ایک طرف مولوی شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خراج عقیدت حاصل کر رہا تھا تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت کا زور قلم علمائے عرب و عجم کو دعوت فکر دے رہا تھا مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف میں پائی جاتی ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

مولوی شبلی نعمانی کی تالیفات سے "سیرت النبی" مایہ ناز تالیف ہے۔ لیکن ارباب فکر و نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سیرت النبی میں مولوی شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نقص درروایات کا تسلسل باندھ دیا ہے۔ مگر اس فیصلہ میں ان کا قلم خاموش ہے کہ رسول محترم ﷺ کو آیا معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ یہ ایک مولف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اس کی عدم تحقیق ان کا کتمان حق تصور کیا جاتا ہے۔ اگر سیرت النبی میں واقعات کی فراہمی ہی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا۔ لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ ربیع الاول کی اپنی تحقیق پیش کرنا یا واقعہ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غار ثور پر کبوتر کے انڈا دینے سے انکار یا معجزہ شق القمر کی روایت پر جرح کرنا وغیرہ وغیرہ اور مسئلہ معراج میں روایت کی فراہمی کے بعد اظہار حقیقت میں خاموش رہنا کچھ تو ہے "جس کی پردہ داری ہے" کا مصداق ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ تحکم اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی۔ یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علماء کے درمیان اعلیٰ حضرت کو شرف امتیاز بخشتی ہے۔

(۱۳) بات بہت دور آ گئی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اب اعلیٰ حضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے جہاں وقت کے ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل و کمال کی داد لے رہے تھے، البتہ ابتک میں

نے جتنے نام پیش کیئے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا، خواہ وہ مولوی شبلی ہوں، مولانا محمد علی یا حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ ایک ان میں سے مورخ ہے، دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی متبحر عالم اور شیخ طریقت ہاں ایک نام ہی باقی رہ گیا جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے۔ وہ بہشتی زیور کے مولف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیٰ حضرت سے کیا جائے۔

(١٤) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد و قیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مخالفت کی ہے اس نہج سے انہیں مجدد کہا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مولف کو مجدد کہتے ہیں جس کی عبارت میں نہ صرف ابہام توہین بلکہ رسول پاک کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مولف شاتم رسول تھانوی صاحب کو مجدد کہا جاسکتا ہے جس میں سرور کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور، پاگل مجنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ **العیاذ باللہ من ذالک.** اگر آپ کی اصطلاح میں مجدد ایسے مصلحت اندیش کو کہتے ہیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو کتمان حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈال کر زمین بنائی جائے تو کان پور کی سرزمین پر تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے جیسے جیسے زمین بنتی گئی شرک و بدعت کو رواج دینے لگے۔

اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ وہ بدعات ومنکرات ہی کا رواج کیوں نہ دیتا ہو تو مجھے معاف فرمایئے۔ ایسے مجدد کی پہلی کڑی حضرت عمر ابن عندالعزیز کی ذات گرامی نہ قرار پائے گی، بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابو جہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا اور اگر تصنیف اور وتالیف کی کثرت و بہتات پر نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے اس اصول کے پیش نظر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دستر خوان کرم کے خوشہ چیں فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کی بہار شریعت اور تھانوی صاحب کی بہشتی زیور کا اگر موازنہ کیا جائے تو یہ ادعائے محض نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بہشتی زیور کے دس حصوں پر بہار شریعت کا ایک حصہ وزنی ہے بلکہ دس حصے کو بہار شریعت کے ایک حصے سے کوئی نسبت نہیں۔

اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جس کی معرکتہ الاراء تصنیف، بہار شریعت کے مقابل نہ لائی جاسکے وہ فتاوی رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جاسکتی ہے جس کی ایک ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ اعلیٰ حضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کون سی قدر مشترک ہے جس کی بناء پر انہیں ایک دوسرے کے

مقابل لایا جاسکے۔ اس لیے جمہور علماء کی باتفاق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد کامل تھے۔

مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی۔ پوری زندگی احیائے سنت اور فرقہ باطلہ کی تردید میں گزاری مگر نوک قلم پر کبھی ایسی بات نہ آئی۔ جس سے اشارۃً و کنائتہً یہ سمجھا جاسکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام تجدید و احیائے دین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھ کر انہیں مجدد کہہ سکے۔

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں۔ اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو۔ اے خالق کائنات جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل و نہار ہو۔ اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نواسنجی ہو۔ اس وقت تک آقائے نعمت سیدی مولائی تاجدار اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر ترے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔

آمین ثم آمین

پیغام اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

پیارے بھائیو! تم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں تمہیں فتنے میں ڈال دیں تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں ان سے بچو اور دور بھاگو دیو بندی ہوئے ،رافضی ہوئے ،نیچری ہوئے ،قادیانی ہوئے ،چکڑالوی ہوئے ،غرض کتنے ہی فتنے ہوئے اور ان سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا یہ سب بھیڑیئے ہیں تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ،رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں حضور سے صحابہ روشن ہوئے ،ان سے تابعین روشن ہوئے ،تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے ،ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے ان سے ہم روشن ہوئے اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے خدا اور رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو ،اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

(وصایا شریف ص ۱۳ از مولانا حسنین رضا)